مقصودِ تخلیقِ کائنات

(۶)

جناب غلام نبی صاحب مسلم لاہور

دس ہزار قدوسی | معاہدۂ حدیبیہ کو ابھی دو سال بھی نہ ہونے پائے تھے، کہ قریش نے معاہدہ شکنی کر کے مکہ کے نواح میں مسلمانوں کے حلیف قبیلہ خزاعہ پر رات کی تاریکی میں حملہ کر دیا اور کچھ لوگوں کو قتل کر دیا۔ اور اُن کے اموال لوٹ لئے، ان میں کچھ مسلمان نماز کی حالت میں شہید ہوئے، آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس حادثہ کی اطلاع ملی تو آپ نے قریشِ مکہ کو لکھا کہ یا مقتولوں کا خون بہا ادا کیا جائے یا وہ قاتلین (بنی بکر) کی حمایت سے الگ ہو جائیں یا پھر حدیبیہ کے صلح نامے کو منسوخ سمجھا جائے۔ مگر قریش نے کوئی صاف جواب نہ دیا۔ اس پر آں حضرت دس ہزار اصحاب کے ساتھ عازمِ مکہ ہو گئے، اہلِ مکہ کو آپ کی آمد کا اس وقت علم ہوا جب آپ مکہ کے قریب پہنچ گئے، قریش کو اس عظیم لشکر کا علم ہوا تو اُن کے ہوش اڑ گئے۔ اُن کا تاریک ماضی اُن کی نگاہوں کے سامنے پھر گیا، انھوں نے تیرہ سال تک مکہ میں آں حضرت کی تکذیب و تضحیک کی تھی، توہین و استہزار کا گھناؤنا مظاہرہ کیا تھا۔ آپ کو طرح طرح کے دُکھ دئے تھے، حتیٰ کہ آپ کے قتل کا منصوبہ بنایا اور آپ کو مدینہ میں پناہ لینا پڑی، پھر اُنھوں نے مسلمانوں کو شدید تکالیف کا ہدف بنایا تھا، ان میں سے بعض مسلمان قتل کئے گئے، ایک کثیر تعداد حبش کی طرف ہجرت پر مجبور ہو گئی، اور بقیہ ماندہ اپنے گھر بار، کاروبار اور وطن کو چھوڑ کر ایمان کی حفاظت کے لئے

مدینہ کی طرف ہجرت کر گئے، پھر مدینے چلے جانے کے بعد بھی انھوں نے مسلمانوں کو ختم کرنے کے لئے بار بار حملے کئے اور اکثر مکر و فریب سے بلا کر بہتوں کو بے رحمی سے قتل کر ڈالا، اور یہی لوگ تھے، جنھوں نے اب معاہدہ کو پسِ پشت ڈال کر مسلمانوں کے حلیف قبیلہ کو حالتِ نماز میں قتل کر دیا۔ ان حالات میں قریش کا سردار ابوسفیان خدمتِ نبوی میں حاضر ہوا، اپنے اسلام کا اظہار کیا اور قوم کے لئے معافی کی درخواست کی، کیا کسی ضابطہ اخلاق و سیاست کی رُو سے یہ لوگ رحم کے مستحق تھے، کیا تاریخ عالم میں کسی فاتح نے ایسے مجرموں پر رحم کھایا اور معاف کیا تھا، تاریخِ انسانیت میں یہ شرف حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کو حاصل ہے۔ کہ اپنی طرف سے اور اپنے جان نثار ساتھیوں کی طرف سے ان شقی القلب دشمنوں کو معاف کر دیا۔ اور حکم دے دیا کہ (۱) جو شخص حرمِ کعبہ میں داخل ہو (۲) یا اپنے گھر میں بیٹھ رہے (۳) یا ابوسفیان کے گھر میں پناہ لے (۴) یا حکیم بن حزام کے گھر میں داخل ہو جائے (۵) یا زخمی ہو (۶) یا اسیر ہو (۷) یا بھاگ جائے (۸) یا ہتھیار پھینک دے ——— اسے قتل نہ کیا جائے۔

اس موقع پر اصحابِ رسول کی عظمت کا پھر اظہار ہوا، حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی طرف سے بھی، ان کے ذاتی دشمنوں اور ایذا رسانوں کو معاف کر دیا، اور اس کی وجہ یہ تھی کہ آپ کو یقین کامل تھا، کہ آپؐ کے اصحاب بھی آپؐ کی صفاتِ عفو و رحم سے متصف ہیں۔ اور ان کا جذبہ اطاعت و عشقِ رسول اس قدر بڑھ چکا ہے، اور وہ اپنی خواہشات اور آرزوؤں کو اس قدر اپنے محبوب آقا کی رضا میں فنا کر چکے ہیں۔ کہ کسی کو آپؐ سے اختلاف کا خیال تک بھی نہیں آ سکتا، چنانچہ دس ہزار فرشتہ سیرت اہلِ ایمان کا یہ لشکر شہر میں داخل ہو گیا لیکن اعلانِ نبوی کے مطابق کسی مخالف کی نکسیر تک نہ پھوٹی، اور ان کی زبانوں پر حمد و ثنا اور تکبیر و تسبیح کے سوا کچھ نہ تھا۔ اسی امتِ مسلمہ کی تعریف میں حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا تھا جس کی تائید دیگر اسرائیلی انبیاءؑ نے بھی کی تھی حضرت موسیٰ

علیہ السلام نے فرمایا :-

" خداوند سینا سے آیا، اور شعیر سے ان پر طلوع ہوا، فاران ہی کے پہاڑ سے وہ جلوہ گر ہوا، دس ہزار قدوسیوں (Ten Thousand Saints) کے ساتھ آیا۔ اور اس کے دہنے ہاتھ میں آتشی شریعت ان کے لئے تھی، وہ سب قوموں سے محبت رکھتا (رحمۃ للعالمین) ہے اس کے سب مقدس لوگ تیرے ہاتھ میں ہیں۔ اور وہ تیرے قدموں میں بیٹھے ایک ایک تیری باتوں سے مستفیض ہوگا " (توریت کتاب استثنار باب ۳۳ : ۱ - ۲)

حضرت سلیمان علیہ السلام کا ارشاد ہے :-

" میرا محبوب سرخ وسفید ہے، دس ہزار میں ممتاز ترین سردار (Chiefest) ہے (غزل الغزلات ۵ : ۱۰)

" (خلو محمد یم) وہ تو ٹھیک محمد ہے، میرا خلیل میرا حبیب یہی ہے۔ اے دختران یروشلم " (ایضاً ۵ : ۱۶)

مکّہ میں کوہ فاران پر کھڑے ہو کر آں حضرتؐ نے اپنی نبوت کا اعلان فرمایا تھا اور اسی شہر میں آپ دس ہزار مقدس و مطہر صحابہ کے ساتھ فاتحانہ داخل ہوئے، قرآن حکیم نے مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرَاةِ وَالْإِنْجِيلِ میں اس کی طرف اشارہ کیا ہے۔ ان قدوسیوں کے اخلاق عالیہ کا یہ اثر ہوا کہ تمام اہل مکہ خدمت نبوی میں عاجزانہ حاضر ہوئے، اپنے قصوروں پر ندامت کا اظہار کیا، جس پر رحمت دو عالم نے لَا تَثْرِيبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ أَنْتُمُ الطُّلَقَاءُ کا مژدہ سنایا کہ آج کے دن تم سے کوئی باز پرس نہیں تم سب آزاد ہو، اس رحمت کا نتیجہ یہ نکلا کہ تمام مکہ ایک ہی دن میں حلقہ بگوش اسلام ہو گیا۔ اور جو لوگ جان بچانے کے لئے شہر چھوڑ کر بھاگ گئے تھے، واپس آکر مسلمان ہو گئے، کیوں کہ اب ان پر بتوں کی بے بسی اور بیچارگی، اللہ تعالیٰ کی قدرت و وحدانیت اور اسلام کی بلند تعلیم کی صداقت عیاں ہو چکی تھی۔

اِن قدسی صفات اصحابِ نبی کے ایمانی خلوص اور رضائے الٰہی سے عشق کا ایک اور عجیب واقعہ قابلِ ذکر و توجہ ہے، ان میں سے مہاجرین مکہ کے مکانات مکہ میں موجود تھے، جن پر دوسرے مخالفین نے غاصبانہ قبضہ کر رکھا تھا۔ بعض کے کاروبار تھمیانے والے بھی موجود تھے، اور اگر یہ لوگ اشارہ بھی کرتے تو اخلاقی طور پر وہ اپنی املاک واپس لینے کے حقدار تھے، اور ممکن ہے کہ بعض غاصبوں نے واپس کر دینے کا ارادہ بھی ظاہر کر دیا ہو لیکن آں حضرتؐ کو مطلوب تھا کہ آپؐ کے جاں نثاروں کے ایمان میں دنیا طلبی کا ذرہ بھر بھی شائبہ باقی نہ رہے، اس لئے آپؐ نے استفسار پر فرمایا کہ مہاجرین جو مکان یا املاک ایک بار راہِ خدا میں قربان کر چکے ہیں، انھیں واپس نہ لیں، اور نہ ہی جس وطن کو وہ ترک کر چکے ہیں، دوبارہ اسے اپنا وطن بنائیں، چنانچہ اپنے آقا کا اشارہ پاتے ہی کسی نے بھی اپنی اشیاء کا خیال تک نہ کیا، اور جب آں حضرتؐ مدینہ کو لوٹے اور تمام اہلِ ایمان ساتھ ہی چلے آئے۔ اور پھر مرتے دم تک دیارِ حبیب اور شہر ہجرت سے نکلنے کا نام تک نہ لیا۔

ایک مزید آخری اور عظیم قربانی

عرب کے اکثر علاقوں بالخصوص حجاز میں مسلمانوں کی مخالفت دم توڑ چکی تھی، ملک کے گوشے گوشے سے مختلف قبائل کے وفود مدینہ پہنچ کر اسلام قبول کر رہے تھے یا آں حضرتؐ کی اطاعت اختیار کر رہے تھے، جنگ کی آگ کے شعلے دب چکے تھے اور اب آں حضرتؐ ملک میں امن و انصاف کے استحکام میں مصروف ہو گئے تھے اور آٹھ سالہ طوفانی و خونی آویزش کے بعد سکون و اتحاد کی فضا پیدا ہوئی تھی، کہ ایک قافلہ کے ذریعہ مدینہ اطلاع ملی کہ رومی شہنشاہ کی سرکردگی میں شمال کی طرف عرب قبائل مدینہ پر حملہ کرنے والے ہیں، یہ نیا خطرہ پہلے خطرات کے مقابلے میں زیادہ تشویشناک تھا، یہ خطرہ ایک ایسی سلطنت کی طرف سے تھا، جو چند سال پہلے ایران کی مجوسی شہنشاہیت کو شکست دے چکی تھی، اور متواتر جنگوں کے بعد چند ہزار مسلمانوں میں اتنی بڑی طاقت کے مقابلے کی بظاہر سکت نہ تھی، لیکن انھیں اپنی طاقت کی بجائے اللہ تعالیٰ کی نصرت و تائید پر اعتماد و بھروسہ ضرور تھا، پھر ان

کے سامنے فتح وکامرانی کی وہ بشارات بھی تھیں جو نئے نئے علاقوں کی فتوحات اور غلبۂ دین کے ضمن میں اللہ تعالیٰ نے انھیں دے رکھی تھیں، بالخصوص غزوۂ خندق اور صلح حدیبیہ کے وقت، جب آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے قیصر وکسریٰ کے خزانوں کی چابیاں دی گئیں اور میری اُمت اُن علاقوں کو ضرور فتح کرے گی جہاں اُن کے قدم ہنوز نہیں گئے۔

اس نئے خطرے کی سنگینی کو بھانپ کر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فیصلہ کیا کہ دشمنانِ دین کو حجاز بلکہ عرب کی حدود سے باہر روک لیا جائے۔ تاکہ جنگ کی آگ مسلمانوں کی بستیوں تک نہ پہنچنے پائے۔ اس مقصد کے لئے آپ نے اُمتِ مسلمہ سے جان اور مال کا مطالبہ کیا، یہ مطالبہ عام انسانوں کے لئے کئی جہات سے ایمان آزما تھا۔ گرمی کا موسم تھا، اور وہ بھی عرب کی شدید گرمی، سفر دور دراز تھا۔ پھر غذا اور پانی کی قلت اس پر مستزاد تھی۔ دوسری طرف فصل تیار کھڑی تھی، اور اس سے لطف اندوز ہونے کا وقت بھی آپہنچا تھا نیز ایک انتہائی طاقتور دشمن کا سامنا تھا۔ یہ حالات مومن صادق اور منافق میں امتیاز کرنے کی کسوٹی تھے۔

منافقین کا فرار | منافقین کو جنگِ خیبر میں شرکت سے روک دیا گیا تھا، کیوں کہ انھوں نے موت کے خوف سے سفرِ حج میں نبی اکرمؐ کا ساتھ دینے سے گریز کیا تھا۔ لیکن اُنھیں ایک اور موقع دینے کا الفاظ ذیل میں وعدہ دیا گیا تھا:۔

قُلْ لِّلْمُخَلَّفِيْنَ مِنَ الْاَعْرَابِ سَتُدْعَوْنَ اِلٰى قَوْمٍ اُولِيْ بَاْسٍ شَدِيْدٍ تُقَاتِلُوْنَهُمْ اَوْ يُسْلِمُوْنَ فَاِنْ تُطِيْعُوْا يُؤْتِكُمُ اللّٰهُ اَجْرًا حَسَنًا وَاِنْ تَتَوَلَّوْا كَمَا تَوَلَّيْتُمْ مِّنْ قَبْلُ يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا (الفتح: ۱۶)	ان پیچھے رہ جانے والے دیہاتیوں سے کہہ دیجئے کہ تم عنقریب ایک سخت جنگجو قوم کی طرف بلائے جاؤ گے، ان کے ساتھ جنگ کرو یہاں تک کہ وہ اطاعت قبول کرلیں، اب اگر تم اطاعت کروگے تو اللہ تمھیں اچھا بدلہ دے گا، اور اگر تم پھر جاؤ گے جس طرح تم

پھر گئے تھے تو وہ تمھیں دردناک عذاب
میں مبتلا کرے گا"

چنانچہ رومی لشکر کے خلاف لشکر کشی نے وہ موقع مہیا کر دیا، لیکن اس گروہ نے یہ آخری موقع بھی کھو دیا۔ کیوں کہ انھیں تو قربانی کے بغیر دولت مطلوب تھی بھلا جان ومال کو کیسے خطرے میں ڈالتے۔ اور یہ امتیاز ہو کر رہنا تھا تاکہ ہمیشہ کے لئے منافقین مومنوں سے الگ ہو جائیں، اور اس کے بعد جہاد اور غلبۂ اسلام کے لئے خالص مومن رہ جائیں۔ دوسرے لفظوں میں اللہ تعالیٰ نے ان سے جہاد کی توفیق ہی چھین لی، اور انھوں نے مختلف حیلوں سے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر جہاد میں شرکت نہ کرنے کے مختلف بہانے کئے۔

"آپ سے جہاد سے رخصت کی اجازت وہ لوگ مانگتے ہیں جو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان نہیں رکھتے اور ان کے دل شک میں پڑ گئے، اور وہ اپنے شک میں متردد ہیں۔ اور اگر ان کا نکلنے کا ارادہ ہوتا تو اس کے لئے سامان مہیا کرتے لیکن اللہ نے ان کا جہاد کے لئے اٹھنا پسند نہ کیا، سو ان کو بوجھل کر دیا اور کہا گیا کہ بیٹھنے والوں کے ساتھ بیٹھے رہو۔ (التوبہ : ۴۵-۴۶)

دراصل اسلامی معاشرے اور بالخصوص فوج میں منافقین کا وجود نہ پہلے کارآمد تھا اور نہ ہی اب ہوتا۔ جس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا

"اگر یہ منافق تم میں شامل ہو کر نکلتے تو تم میں سوائے فساد کے اور کچھ زیادہ نہ کرتے اور تمھارے درمیان تمھارے لئے فتنہ اندازی کی خاطر چغلیاں کرتے پھرتے اور تم میں ان کے جاسوس بھی ہیں، اور اللہ ظالموں کو خوب جانتا ہے، یقیناً انھوں نے پہلے بھی فتنہ پیدا کرنا چاہا اور تیرے خلاف تدبیریں کرتے رہے، یہاں تک کہ حق آگیا اور ان کی ناگواری کے باوجود اللہ کا حکم غالب رہا" (التوبہ : ۴۸)

ان حالات میں اُمت کو منافقین سے پاک کرنے کا فیصلہ کر لیا گیا، پس آں حضرتؐ کو ارشاد

یعنی ہوا :-

فَإِنْ رَّجَعَكَ اللّٰهُ إِلٰى طَآئِفَةٍ مِّنْهُمْ فَاسْتَأْذَنُوْكَ لِلْخُرُوْجِ فَقُلْ لَّنْ تَخْرُجُوْا مَعِيَ أَبَدًا وَّلَنْ تُقَاتِلُوْا مَعِيَ عَدُوًّا إِنَّكُمْ رَضِيْتُمْ بِالْقُعُوْدِ أَوَّلَ مَرَّةٍ فَاقْعُدُوْا مَعَ الْخَالِفِيْنَ وَلَا تُصَلِّ عَلٰى أَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ أَبَدًا وَّلَا تَقُمْ عَلٰى قَبْرِهٖ إِنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَمَاتُوْا وَهُمْ فَاسِقُوْنَ (التوبہ : ۸۳-۸۴)

"پس اگر اللہ تجھے ان میں کسی گروہ کی طرف لوٹا کر لائے اور وہ نکلنے کی تجھ سے اجازت مانگیں تو کہہ دے کہ میرے ساتھ کبھی نہیں نکلو گے اور نہ میرے ساتھ ہو کر کسی دشمن سے جنگ کرو گے، تم پہلی مرتبہ بھی بیٹھنے پر رضامند ہو گئے سو اب بھی پیچھے رہنے والوں کے ساتھ بیٹھے رہو، اور تو ان میں سے کسی پر جو مر جائے نماز جنازہ کبھی نہ پڑھنا اور نہ اس کی قبر پر کھڑے ہونا، کیونکہ انھوں نے اللہ اور اس کے رسول کا انکار کیا اور وہ مر گئے اس حالت میں کہ وہ نافرمان تھے۔"

پس جب نبی اکرم صلعم اس غزوۂ تبوک سے بہ خیر و عافیت لوٹے تو آپ نے منافقوں کا نام لے لے کر انھیں کھڑا کیا اور مسجد سے نکلوا دیا اور یہ فتنہ آپ نے اپنے زمانے میں کچل دیا۔

مومنین کی ایمانی عظمت | منافقین کے برعکس اس موقع پر مومنین نے مثالی ایثار کا نمونہ دکھایا، جن کے متعلق اللہ تعالیٰ نے واضح الفاظ میں شہادت دی۔

لَا يَسْتَأْذِنُكَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ أَنْ يُّجَاهِدُوْا بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ بِالْمُتَّقِيْنَ (التوبہ : ۴۴)

"جو اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان لاتے ہیں وہ تجھ سے اجازت نہیں مانگتے کہ اپنے مالوں اور جانوں کے ساتھ جہاد کریں، اور اللہ متقیوں کو خوب جانتا ہے۔"

یہی وہ فدائیان اسلام اور عاشقان رسول خیر الانام تھے جن سے اللہ تعالیٰ نے جنت کے عوض جانیں اور اموال خرید لئے تھے، جیسا کہ اس موقع پر فرمایا :-

إِنَّ اللَّهَ اشْتَرَىٰ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ أَنفُسَهُمْ وَأَمْوَالَهُم بِأَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَيَقْتُلُونَ وَيُقْتَلُونَ وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا فِي التَّوْرَاةِ وَالْإِنجِيلِ وَالْقُرْآنِ وَمَنْ أَوْفَىٰ بِعَهْدِهِ مِنَ اللَّهِ فَاسْتَبْشِرُوا بِبَيْعِكُمُ الَّذِي بَايَعْتُم بِهِ وَذَٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ - التَّائِبُونَ الْعَابِدُونَ الْحَامِدُونَ السَّائِحُونَ الرَّاكِعُونَ السَّاجِدُونَ الْآمِرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَالنَّاهُونَ عَنِ الْمُنكَرِ وَالْحَافِظُونَ لِحُدُودِ اللَّهِ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِينَ (التوبہ : ۱۱۱)

"اللہ نے مومنوں سے ان کی جانیں اور ان کے اموال خرید لئے ہیں - اس کے بدلے میں کہ ان کے لئے جنت ہے وہ اللہ کی راہ میں لڑتے ہیں، سو وہ قتل کرتے ہیں - اور قتل ہوتے ہیں - یہ وعدہ اس کے ذمے سچا ہے، توریت اور انجیل اور قرآن میں، اور اللہ سے بڑھ کر اپنے وعدے کو پورا کرنے والا کون ہے سو تم اپنے سودے پر جو تم نے اس سے کیا ہے خوش ہو جاؤ اور یہی بہت بڑی کامیابی ہے۔ - خدا کی طرف رجوع کرنے والے، عبادت کرنے والے، حمد کرنے والے خدا کی راہ میں سفر کرنے والے۔ رکوع کرنے والے، سجدہ کرنے والے، نیکی کا حکم کرنے اور بدی سے روکنے والے، اللہ کی حدوں کے محافظ۔ اور ان مومنوں کو خوش خبری دے"

ان اہلِ ایمان نے پہلے کبھی کسی بڑی سے بڑی قربانی سے گریز و دریغ نہ کیا تھا، تو اب کیوں کرتے تاہم موجودہ خطرہ بعض وجوہ سے مزید قربانی کا متقاضی تھا - تیس ہزار مجاہدین پر مشتمل لشکر کی ضروریاتِ جہاد کی فراہمی نے ہی آں حضرت صلعم کو مالی ایثار کی ترغیب پر اُبھارا تھا اور ہر اہلِ ایمان نے ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی کوشش کی - چنانچہ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے آں حضرتؐ کے ارشاد مبارک پر سب کچھ قدموں میں لا ڈھیر کیا، گھر میں صرف اللہ اور رسولؐ کا نام چھوڑ آئے - اور اس میدان میں سب پر سبقت لے گئے - حضرت عمر فاروقؓ نے اپنا نصف مال پیش کر دیا - اور حضرت عثمان غنیؓ نے (۹۰۰) نو سو اونٹ (۱۰۰) ایک سو گھوڑے

اور ایک ہزار دینار حاضر خدمت کردئے اور زبانِ مبارک نبوی سے مجہز جیش العسرۃ (تنگ حال لشکر کا سامان مہیا کرنے والا) کا خطاب پایا، اسی طرح ہر صحابی نے خلوص نیا ضی اور فراخدلی سے کام لیا، اور اپنی فداکاری کا اعلیٰ ترین نمونہ پیش کیا، دنیا بھر میں یہ عجیب ترین لشکر ہے کہ اپنے پاس سے دولت بھی دیتا ہے۔ اسلحہ بھی بہم پہنچاتا ہے، اور پھر جان کا ہدیہ بھی پیش کردیتا ہے۔ اور مال بچوں اور مال و دولت سے بے نیاز ہوجاتا ہے۔ جب تک دُنیا قایم ہے، سپہر حق وصداقت کے یہ ستارے اپنے اطوار سے انسانیت کی بزم کو تابندگی بخشتے رہیں گے، اللہ تعالیٰ کے رسول پاکؐ نے ان کے متعلق کیا ہی خوب فرمایا أصحابی کالنجوم بأیھم اقتدیتم اھتدیتم۔ میرے اصحاب ستاروں کی مانند ہیں۔ کسی ایک کی پیروی کروگے تو ہدایت پاؤگے۔"

اس ایمان کا یہ برگزیدہ اور منتخب روزگار لشکر سفر کی صعوبتیں برداشت کرکے شمال میں تبوک کے مقام پر پہنچا، دشمن مقابل نہ آیا، اردگرد کے رؤسا کو حلیف بنایا اور مطمئن مدینہ لوٹا، اللہ تعالیٰ کی رحمت اور نوازش نے ساتھ دیا، مسلمانوں کی قوتِ ایمانی میں اضافہ ہوا، اور آیندہ کے لئے رومی سلطنت کے مقابل حوصلے بلند ہوتے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا :-

لَقَدْ تَّابَ اللّٰہُ عَلَى النَّبِيِّ وَالْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ فِيْ سَاعَةِ الْعُسْرَةِ مِنْۢ بَعْدِ مَا كَادَ يَزِيْغُ قُلُوْبُ فَرِيْقٍ مِّنْهُمْ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ اِنَّهٗ بِهِمْ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ (التوبہ : ۱۱۷)	"اللہ اپنے نبی پر اور ان مہاجرین وانصار پر مہربان ہوا جنھوں نے تنگی کی گھڑی میں اس کا ساتھ دیا بعد اس کے کہ ان میں سے ایک گروہ کے دلوں میں کجی آنے لگی تھی، پھر ان پر مہربان ہوا، وہ ان پر مہربان رحم کرنے والا ہے۔

اس آیہ کریمہ میں اللہ کی رحمت میں نبیؐ اور آپؐ کے متبع مہاجر و انصار سب برابر کے شریک ہیں اور مہاجرین و انصار کی خوبی یہ بیان کی ہے، کہ انھوں نے عسرت اور تنگی کے وقت

جان و مال کے ساتھ اپنے محبوب نبیؐ کا ساتھ دیا۔ پس اللہ کی رحمت کی ان پر بارش ہوئی اور اللہ تو ہمیشہ ہی ان پر رؤف و رحیم ہے، اسی سورۃ کے اختتام پر آں حضرت صلعم کے متعلق فرمایا، وَبِالْمُؤْمِنِينَ رَءُوفٌ رَّحِيمٌ - کہ آپؐ مومنوں پر رؤف و رحیم ہیں پس اُمّتِ مسلمہ ـــــ مہاجرین و انصار کے گروہ ـــــ کا درجہ کتنا بلند ہے کہ خدا اور اُس کا رسولؐ ہر دو اُن پر مہربان و رحیم ہیں،

اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے بالخصوص اَلسَّابِقُونَ الْأَوَّلُونَ یعنی اولین مہاجرین و انصار میں سے سبقت لے جانے والوں کا ذکر کرتے ہوئے، ان کے مقامِ عظمت کا الفاظ ذیل میں ذکر کیا ہے:-

وَالسَّابِقُونَ الْأَوَّلُونَ مِنَ الْمُهَاجِرِينَ وَالْأَنصَارِ وَالَّذِينَ اتَّبَعُوهُم بِإِحْسَانٍ رَّضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ وَأَعَدَّ لَهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي تَحْتَهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا ذَٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ (توبہ: ۱۰۰)

اور پہلے سبقت لے جانے والے مہاجرین اور انصار سے، اور وہ جنھوں نے نیکی میں ان کی پیروی کی، اللہ ان سے راضی ہوا اور وہ اللہ سے راضی ہوئے۔ اور اس نے ان کے لئے باغات تیار کئے۔ جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں، وہ انہی میں ہمیشہ رہیں گے، یہ بڑی کامیابی ہے۔"

یہ اَلسَّابِقُونَ الْأَوَّلُونَ وہی تھے جو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مکی زمانۂ نبوت میں ایمان لائے تھے، جب کہ ہر طرف خطرات ہی خطرات تھے، اور جان، مال، عزت، بال بچوں اور گھر بار کی بربادی کے مقابل محض جنت اور رضائے الٰہی کا وعدہ تھا، لیکن ہجرت کے بعد ان مہاجرین و انصار کو مزید قربانیاں دیتے ہوئے دس سال ہونے کو آئے تھے، اور اس عرصہ میں انھوں نے عنایاتِ الٰہی کے بے شمار تمغے حاصل کئے تھے ان کے دشمن مغلوب ہو چکے تھے، حسناتِ دُنیا و دین کے دروازے ان پر کھل چکے تھے اور ان کے اتباع کو سعادتِ دارین کا وسیلہ ٹھہرایا جا چکا تھا، اور آیندہ نسلوں کو تاکید کی جا چکی تھی، کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے ان اصحابِ رسولؐ پر صلوٰۃ

بھیجتے ہیں۔ تمھاری فلاح اسی میں ہے کہ تم ان جاں نثارانِ اسلام کی کامل پیروی کرو، ان کے لئے مغفرت مانگتے رہو، کیوں کہ ان کے اتباع سے منہ موڑنے والا جہنمی ہوگا، جیسا کہ ارشادِ خداوندی ہے:

وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ ۭ وَسَاۗءَتْ مَصِيْرًا (النساء : ۱۱۵)

"اور جو شخص رسول کی مخالفت کرے اس کے بعد کہ اس کے لئے ہدایت واضح ہو چکی اور مومنوں کے راستے کے سوا دوسرے راستے کی پیروی کرے، ہم اسے پھیر دیں گے جدھر وہ پھرتا ہے۔ اور اسے جہنم میں داخل کریں گے اور وہ بری جگہ ہے۔"

دوسرے لفظوں میں "سبیل المؤمنین"، یعنی اصحابِ رسولؐ کی راہ سے ہٹنے والا گمراہ اور جہنمی ہے۔ ظاہر ہے کہ ان لوگوں سے بڑھ کر مومن کوئی نہیں ہو سکتا، جن کو خود اللہ تعالیٰ نے مومن کہا ہو اور وہ یہی مہاجرین و انصار تھے ...... اُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا۔

غزوۂ تبوک کے موقع پر اصحابِ رسولؐ اور ان کے بعد آنے والے تمام پیروکاروں کو بشارت ملی کہ جب تم نے رضائے الٰہی کو ہر شے پر مقدم کر رکھا ہے، تو آگاہ رہو، کہ اللہ بھی تم سے راضی ہو گیا۔ تمھارے لئے جنت تیار کر دی گئی ہے۔ جس میں ہمیشہ رہو گے اور یہ سب سے بڑی کامیابی ہے۔

ان سب کی تعداد غزوۂ تبوک کے وقت تیس ہزار سے کچھ زیادہ ہو چکی تھی، ان میں السابقون الاولون کے علاوہ وہ لوگ بھی تھے جو ہجرت کے بعد جہاد میں شریک ہوئے اور وہ بھی تھے جو فتح مکہ کے وقت یا فتح کے بعد ایمان لائے۔ جن میں قریشِ مکہ نمایاں مقام رکھتے تھے۔

غزوۂ تبوک کے وقت تین پیچھے رہ جانے والے مومن

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تربیت یافتہ اصحاب حُسنِ نیت، اخلاقِ عالیہ، محبت و اطاعتِ رسولؐ کی انتہائی بلندیوں پر نظر آتے ہیں۔ لیکن ان میں سے بعض نے دو مواقع پر غفلت و تساہل سے کام لیا اور مابعد اس پر ندامت کا اظہار کیا، تو اللہ تعالیٰ نے ان کی خطاؤں پر قلمِ عفو پھیر دیا، ان واقعات کا ذکر قرآنِ حکیم میں کیا ہے۔ اور اس طرح اصحابِ رسول اور آنے والے اہلِ ایمان کو درسِ عبرت و اصلا

دیا کہ عشق و محبت میں تساہل بھی روا نہیں۔

پہلا واقعہ جنگِ اُحد کا ہے۔ قریش کی پسپائی کے بعد چند مسلمانوں نے وہ مورچہ چھوڑ دیا جہاں انھیں آں حضرتؐ نے متعین کیا تھا، یہ محض فیصلے کی غلطی تھی، جس سے مسلمان لشکر کو شدید نقصان پہنچا، اس کے بعد مسلمانوں نے پھر صفوں کو درست کرکے دشمن کو بھاگنے پر مجبور کر دیا اور خود بارگاہِ الٰہی میں طالبِ مغفرت ہوئے۔ اللہ تعالیٰ کی نظر ان کے اعمال سے بڑھ کر ان کے قلوب اور نیتوں پر تھی، اور چونکہ ادھر تو خلوص اور نیک نیتی کے سوا کچھ نہ تھا، اس لئے انھیں وَلَقَدْ عَفَا اللّٰہُ عَنْھُمْ کی بشارت سے نواز اگیا۔

اسی طرح ایک دوسری بلاارادہ کوتاہی، غفلت اور لغزش کا واقعہ تین مخلص اصحابِ رسولؐ کو غزوۂ تبوک کے وقت پیش آیا۔ یہ حضرات کعب بن مالک، ہلال بن اُمیہ اور مرارہ بن ربیع (رضی اللہ عنہم) تھے یہ دورِ اول میں ایمان لائے تھے، اس سے قبل ہر جہاد میں حصّہ لیا تھا، اُمت میں ان کا بلند مقام تھا، پھر غزوۂ تبوک کے موقع پر انھوں نے حسبِ توفیق مالی اعانت بھی کی تھی، جہاد میں شرکت کے لئے سب سامان تیار کر رکھا تھا۔ لیکن جب لشکر روانہ ہوا تو یہ تینوں اصحاب کسی مصروفیت کی وجہ سے اس دن شریکِ سفر نہ ہو سکے، سوچا کہ اگلے روز جا ملیں گے، اسی طرح چند دن ٹل گئے فاصلہ زیادہ ہوگیا، تو پھر ندامت کے مارے رُک گئے۔ کہ اب لشکر سے ملنا محال ہے۔ حتیٰ کہ پچاس دن بعد آں حضرتؐ اس مہم سے فارغ ہو کر لوٹ آئے۔ واپسی پر آں حضرتؐ نے پیچھے رہ جانے والوں سے شرکت نہ کرنے کی وجہ دریافت کی، منافقین تو جھوٹے عذر سُنا کر چھوٹ گئے۔ لیکن ان تین مخلص اصحاب نے سچ سچ بتا دیا کہ ان کے پاس عدمِ شرکت کی کوئی معقول وجہ نہیں۔ آں حضرتؐ نے انھیں حکمِ الٰہی کا انتظار کرنے کو کہا، کچھ دنوں کے بعد مسلمانوں کو ان سے بول چال کو منع کر دیا، پھر ان کی بیویوں کو بھی ان سے الگ کر دیا۔ یہ بہت بڑی آزمائش تھی، انھی دنوں غسّان کے عیسائی حاکم نے حضرت کعب بن مالک کو لکھ بھیجا کہ "تمھارے آقا نے تمھاری قدر نہیں کی۔ ہمارے پاس

آجاؤ۔ ہم تمھاری کماحقہٗ قدر و منزلت کریں گے" حضرت کعب اس آزمائش میں ثابت قدم نکلے، رقعہ آگ میں ڈال دیا، اور قاصد کے ہاتھ کہلا بھیجا کہ "مجھے اپنے آقا کی ناراضگی تمھاری نوازش سے بدرجہا عزیز تر ہے" دن گذرتے گئے، حتیٰ کہ پچاس دن کے بعد اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعے ان تینوں مخلصوں کی توبہ قبول فرمائی اور دیگر مہاجرین و انصار کے ساتھ ان کا بالفاظ ذیل ذکر فرمایا

لَقَدْ تَابَ اللّٰهُ عَلَى النَّبِيِّ وَالْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ فِيْ سَاعَةِ الْعُسْرَةِ مِنْ بَعْدِ مَا كَادَ يَزِيْغُ قُلُوْبُ فَرِيْقٍ مِّنْهُمْ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ اِنَّهٗ بِهِمْ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ وَعَلَى الثَّلٰثَةِ الَّذِيْنَ خُلِّفُوْا حَتّٰى اِذَا ضَاقَتْ عَلَيْهِمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ وَضَاقَتْ عَلَيْهِمْ اَنْفُسُهُمْ وَظَنُّوْا اَنْ لَّا مَلْجَاَ مِنَ اللّٰهِ اِلَّا اِلَيْهِ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ لِيَتُوْبُوْا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ (التوبہ، ۱۱۷-۱۱۸)

"اللہ اپنے نبی پر اور مہاجرین اور انصار پر مہربان ہوا، جنھوں نے تنگی کی گھڑی میں اس کی اتباع کی بعد اس کے کہ ان میں سے ایک گروہ کے دلوں میں کجی آنے لگی تھی، پھر ان پر مہربان ہوا اور ان تینوں پر بھی جو پیچھے رکھے گئے تھے۔ یہاں تک کہ زمین باوجود اپنی فراخی کے ان پر تنگ ہو گئی۔ اور وہ اپنی جانوں سے تنگ آ گئے، اور یقین کر لیا کہ اللہ کے سوا کوئی جائے پناہ نہیں۔ تب وہ ان پر مہربان ہوا، تاکہ وہ رجوع کریں۔ اللہ بہت توبہ قبول کرنے والا رحم کرنے والا ہے۔"

تمام اہلِ ایمان میں سے تیس ہزار تو گرمی اور سفر کی مشکلات سے بے نیاز ہو کر اپنے آقا کا ساتھ دیتے ہیں، اور صرف تین افراد پیچھے رہ جاتے ہیں۔ اور وہ بھی جان بوجھ کر نہیں اور اس غفلت اور کوتاہی پر اس قدر ندامت کا اظہار کرتے ہیں کہ دوسرے اہلِ ایمان کے ساتھ تینوں بھی رحمتِ خداوندی کی خوشخبری پاتے ہیں، گویا کہ آں حضرتؐ کی حیاتِ طیبہ کے آخری جہاد میں نئے اور پرانے تمام اہلِ ایمان، ایثار، خلوص کا ایسا عظیم مظاہرہ کرتے ہیں جس کی نظیر کہیں اور تلاش کرنا عبث ہے۔ پھر ان لوگوں میں کثرت ان لوگوں کی ہے جو دو سال پہلے تک اسلام

کے دشمن تھے، اور فتح مکہ کے بعد ایمان لائے۔ لیکن انھوں نے اپنی اس قلیل مدت میں اسلام کی خاطر خلوص وایثار کا ایسا عظیم مظاہرہ کیا کہ رسول اللہ اور سابقون الاولون کے ساتھ رحمت الٰہی میں حصہ دار ہوگئے۔ اور کُلًّا وَّعَدَ اللّٰہُ الْحُسْنٰی کے مصداق بن گئے۔ اور ذات الٰہی جس پر چاہے فضل ورحمت کے دروازے کھول دے۔

غم کے آنسو قرآن حکیم نے امت مسلمہ کے ایک اور گروہ مخلصین کا بھی ذکر فرمایا ہے۔ یہ وہ اہل ایمان تھے، جو خلوص نیت، جذبۂ جہاد اور ایثار میں کسی سے کم نہ تھے، اور اس کا مظاہرہ اس سے قبل بارہا کر چکے تھے، لیکن حالات کی ناسازگاری کی وجہ سے اس مہم میں شرکت نہ کرسکے، ان فدایان اسلام کی قلبی تڑپ کی کیفیت وحی الٰہی کے الفاظ میں پڑھیے:-

لَیْسَ عَلَی الضُّعَفَآءِ وَلَا عَلَی الْمَرْضٰی	"نہ کمزوروں پر کوئی گناہ ہے اور نہ بیماروں
وَلَا عَلَی الَّذِیْنَ لَا یَجِدُوْنَ مَا یُنْفِقُوْنَ	پر اور نہ ان پر جو خرچ کرنے کو کچھ نہیں پاتے جب
حَرَجٌ اِذَا نَصَحُوْا لِلّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ط مَا	کہ وہ اللہ اور اس کے رسول سے اخلاص رکھیں،
عَلَی الْمُحْسِنِیْنَ مِنْ سَبِیْلٍ ط وَاللّٰهُ	نیکی کرنے والوں پر الزام کی کوئی راہ نہیں، اور
غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ، وَّلَا عَلَی الَّذِیْنَ اِذَا مَآ	اللہ بخشنے والا رحم کرنے والا ہے اور نہ ان پر
اَتَوْكَ لِتَحْمِلَهُمْ قُلْتَ لَآ اَجِدُ مَآ	الزام ہے کہ جب وہ تیرے پاس آئے کہ تو انھیں
اَحْمِلُكُمْ عَلَیْهِ تَوَلَّوْا وَّاَعْیُنُهُمْ تَفِیْضُ	سواری دے تو تو نے کہا مجھے کچھ نہیں ملتا۔
مِنَ الدَّمْعِ حَزَنًا اَلَّا یَجِدُوْا مَا یُنْفِقُوْنَ	جس پر تمھیں سوار کروں تو وہ واپس چلے گئے،
(التوبہ: ۹۱ - ۹۲)	اور ان کی آنکھوں سے آنسو بہ رہے تھے اس
	غم سے کہ وہ مال نہیں پاتے جسے وہ خرچ کریں"

باقی